پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان*

مصر میں اسلامی جمہوری حکومت کا ظالمانہ قتل

ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ برطانیہ جمہوریت کی ماں ہے اور امریکہ آج کا جمہوری چیمپئن ہے۔ مسلمان ممالک کے سیکولر اور لبرل عناصر اِس کے بہت گن گاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ حقیقت اِن چیزوں سے کوسوں دور ہے۔

مغرب کل بھی بادشاہت اور استبداد کا اسیر تھا اور آج بھی اِس کے جمہوری تماشا میں دیو استبداد ہی بند ہے۔ اِن لوگوں کو جمہوری اور شورائی مزاج کا تب پتہ چلا جب اِن کا صلیبی لڑائیوں میں مسلمانوں کے ساتھ آمنا سامنا ہوا۔ اسلام سے زیادہ کوئی جمہوریت رشورائیت کا علمبردار نہیں ہوسکتا کیونکہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تمہارے امور شوریٰ کے ذریعے طے ہوں گے۔ وَ اَمْرُھُمْ شُورٰی بَینَھُم۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ، اسلامی جمہوریت کا دُنیا میں بہترین نمونہ رہا ہے۔ ساری دُنیا نے اِسی خلافت راشدہ سے طرز حکمرانی اور نظام ہائے حکومت سیکھا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خلافت (اسلامی جمہوریت) کے نظام حکومت میں وہ ساری بھلائیاں رکھ دی ہیں جو دُنیا کے کسی بھی نظام حکومت میں پائی جائیں اور وہ ساری برائیاں اِس سے نکال باہر کی ہیں جو دُنیا کے کسی بھی طرز حکمرانی میں موجود ہوسکتی ہیں۔ اِسی خلافت راشدہ کے دوران سطحِ زمین پر وہ حکومت قائم رہی کہ آج کی اچھی سے اچھی فلاحی ریاستیں اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ کیا دُنیا میں آج کسی بھی بہترین جمہوری حکومت میں اس بات کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ ایک عام آدمی اُٹھ کر اپنے صدر یا وزیراعظم سے پوچھ سکے کہ حضور! آپ کے یہ اثاثے دن دگنی اور رات چگنی ترقی کی راہ پر کیوں گامزن ہیں؟ جبکہ خلافت راشدہ میں ایک عام آدمی حضرت عمرؓ فاروق جیسی دبنگ شخصیت سے مجمع عام میں اُن کے زیب تن قمیص کے بارے سوال کررہا ہے اور خلیفہ جواب دے رہا ہے، یہ ہے اصلی جمہوری روح و روایت، لیکن صد افسوس! کہ اسلامی معاشروں میں حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد صورتحال تبدیل ہوئی اور دُنیا کے سامنے وہ اسوۂ حسنہ نہ رہا جس پر چل کر انسانیت کو صحیح معنوں میں جمہوری روایات پر چلایا جاسکے۔ لیکن پھر بھی اُس عظیم خلافت کی روح اور اثرات سے دُنیا مستفید ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہیگی کیونکہ دُنیا کے پاس اِس

---

* ڈائریکٹر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی۔

سے بہتر چیز نہ موجود تھی نہ موجود ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب و مشرق میں اسی ہی کی روح سے ریزہ چینی ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔

برطانیہ کے عظیم فلسفی جارج برنارڈ شا نے علی الاعلان کہا تھا کہ مستقبل اسلام کا ہے۔ گاندھی جی نے ہندوستان کی برطانوی راج سے آزادی کے بعد پارلیمنٹ کے پہلے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ممبران سے کہا تھا کہ میں نے نظام حکمرانی کے حوالے سے ہندو تاریخ کا مطالعہ کیا ہے لیکن وہاں کوئی ایسی حکمران شخصیت نہیں ملی جس کی مثال دے کر آپ لوگوں کو اُن کی تقلید کا کہہ سکوں اس لئے طرز حکمرانی میں سادگی اختیار کرنے کے لئے مجھے مجبوراً مسلمانوں کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی مثال دینی پڑ رہی ہے جنہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے اپنے کپڑوں میں دفنا کر میرے کفن کا نیا کپڑا کسی مستحق کو دیدو"۔ اور جنہوں نے خطبہٗ خلافت میں لوگوں کو یہ حق دیا کہ "اگر میں اللہ و رسول کی راہ سے ہٹ گیا تو مجھے سیدھا کردو"۔

اُمتِ مسلمہ کی یہ تاریخ مسلمانانِ عالم کے سامنے ہے۔ وہ بھولنا بھی چاہیں یا کوئی اُن سے بُھلانا بھی چاہیں تو کہیں نہ کہیں سے وہ چنگاری پھر بھڑک اُٹھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اموی ملوکیت کی خاکستر سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسی چنگاری شعلۂ جوالہ بن کر ابھرے۔ اِسی طرح اسلامی تاریخ میں ہر سو سال کے سرے پر کوئی نہ کوئی ایسی شخصیت اپنی تاریخ کے اُن طاقتور تعلیمات ولمحات کے سبب اُبھر ہی آتی ہے جو لوگوں کو جمہوریت کا اصل چہرہ دکھانے کی کوشش کرتی دکھائی دیتی ہے۔

برطانیہ، فرانس، اٹلی، ہالینڈ، پرتگال اور امریکہ سب نے مل کر اپنے ہاں تو طرزِ حکمرانی کو بادشاہت سے جمہوریت میں بدل دیا لیکن مسلمان ممالک پر قبضہ کر کے وہاں یا تو پٹھو حکومتیں قائم کیں یا بادشاہت کے نظام کو تقویت دی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اِن استعماری قوتوں نے جاتے جاتے بھی مسلمان ممالک میں اپنے ایسے وفادار پٹھوؤں کو پیچھے چھوڑ کر پالا پوسا جو اُنہی کے مفادات کے لئے کام کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ مسلمان ممالک کے یہ عناصر اپنے استعماری آقاؤں کی خدمت اور اس کے صلے میں ملنے والے "تمغوں" کی بدولت ہمیشہ سے ایسی شخصیتوں اور حکومتوں کے خلاف اپنے آقاؤں کے اشاروں پر انارکی و انتشار پھیلانے کے لئے تیار کھڑے ہوتے ہیں جو مسلمان معاشروں میں عوام کے فلاح و بہبود اور دُنیاوی و اخروی مفاد کی خاطر اسلامی فلاحی جمہوری حکومت و معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ بیسویں صدی کی اسلامی ممالک کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں انہی عناصر نے استعمار سے آزادی حاصل کرنے والی شخصیات کے خلاف استعمار سے مل کر سازشیں کیں اور اسلامی جمہوری معاشروں میں اُتھل پتھل برپا کیں۔

ایک طویل جدوجہد اور کشمکش کے بعد خلافت عثمانی مسلمانوں کی یکجہتی اور اتحاد کی علامت تھی۔ لیکن برطانوی استعمار

نے کرنل تھامس ایڈورڈ لارنس کے ذریعے جس طرح عربوں اور ترکوں میں پھوٹ ڈلوائی اگرچہ اس میں خود ترکوں اور عربوں کی کمزوریاں شامل تھیں، خلافت عثمانیہ ختم کر ڈالی، وہ کسی بھی صاحب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کے خلاف استعماری سازشیں تب ہی کامیاب ہوئی ہیں جب گھر کا بھیدی ان کے ساتھ ملا ہے۔ یہ استعماری عناصر مختلف قسم کی رشوتوں، عہدوں و مناصب کی لالچ وغیرہ کے لئے اپنے ہی گھر کو پھونک ڈالنے سے باز نہیں آتے، بقول شاعر ؎

میں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روز سیاہ　　خود دکھایا ہے میرے گھر کے چراغاں نے مجھے
کوئی کافر میری تذلیل نہ کر سکتا تھا　　مرحمت کی ہے یہ سوغات مسلماں نے مجھے

خلافت عثمانی کی زوال کے بعد نصف صدی تک امتِ مسلمہ پر ایسا سکوت و جمود طاری رہا کہ معاشرے کا قیام تو ایک طرف اسلامی معاشروں کی بقاء کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ لیکن الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، خاتم النبیینؐ کے صدقے اور علمائی حق کے جدوجہد کے نتیجے میں یہ قافلہ سخت جان سست رفتار ضرور رہا لیکن منزل کی طرف سفر سے رکا نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مغربی استعمار نے خلافت عثمانی کے خاتمے کے بعد ترکی کی سلامتی کے لئے ایک اہم شرط معاہدہ لوزان میں یہ بھی رکھی تھی کہ ترکی (مسلمان امت) دوبارہ کبھی خلافت کے احیاء و قیام کی کوشش نہیں کرے گا ورنہ ہمیں اسے بزور بازو ختم کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ کمال اتاترک نے یہ معاہدہ سائن کر کے مغربی استعمار کو یہ حق دلایا کہ دنیا میں کہیں بھی کوئی اسلامی فلاحی ریاست خواہ جمہوری ہی کیوں نہ ہو، قائم ہو جائے اسے پنپنے کے مواقع نہ دیئے جائیں کیونکہ اس طرح انسانیت کے سامنے ایک ایسا نظام حکومت سامنے آتا ہے۔ جو انسانیت کی جان مال آبرو کی حفاظت کی ضامن ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو بنیادی حقوق کے تحفظ کی بھی ضمانت دیتا ہے۔ صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی جمہوری ریاست کا تاباں و منور چہرہ انسانیت نے اگر دیکھا تو بخدا دنیا اس نام نہاد جمہوریت جس کے پیچھے یہودی سرمایہ اور یہودی ذہن کارفرما ہے، مڑ کر بھی نہیں دیکھے گی۔

آج دُنیا میں خیر و شر کے درمیان ایک کشمکش یہ بھی جاری ہے کہ ایک طرف امتِ مسلمہ میں یہ سعی سعید جاری ہے کہ مسلمان معاشروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات مقدسہ کے مطابق معاشروں و حکومتوں کی تشکیل ہو جائے اور دوسری طرف استعمار کی یہ سعی مذموم جاری ہے کہ کہیں بھی کوئی ایسی حکومت، خواہ جمہوری ہو، فلاحی ہو، بادشاہی ہو لیکن اگر اسلامی بھی ہو تو قابل قبول نہیں۔

انہی اسباب کی بناء پر الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی انتخابات میں جیت ہو یا ترکی میں طیب اردگان کی حکومت ہو۔ یا مصر میں اخوان کی انتخابات میں ۵۲ فیصد ووٹوں کے حصول اور قومی ریفرنڈم کے ذریعے منظور شدہ آئین و دستور ہو، ان کو منظور نہیں کیونکہ اس طرح دنیا میں مسلمانوں کے بالا دست ہونے اور خودداری کی

راہ پر گامزن ہونے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

ملا عمر کی حکومت کو تو ختم کرانا وہ اپنا بنیادی حق سمجھتے تھے کہ وہ بزورِ شمشیر آئے تھے۔ حالانکہ ان کے دورِ حکومت کے یہ دو کارنامے ہی ان کی حکومت کو جواز دینے کے لئے کافی تھے یعنی افغانی معاشرے کو اسلحے اور منشیات سے پاک کرنا اور پورے افغانستان میں امن قائم کرنا لیکن چونکہ ان کی حکومت کے شعائر کے ساتھ اسلام وابستہ تھا۔ لہٰذا ان سارے اچھے کاموں کے باوجود اکیس ہزار پاؤنڈ کے ڈیزی کٹر بموں سے اسے ختم کرنا ان کے نزدیک اکیسویں صدی کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔

محمد مرسی، طیب اردگان، عباس مدنی، اور دیگر اس قسم کے حکومتوں کا شیرازہ بکھیرنا تو وہ مقدس فرض سمجھتے ہیں، ان کو مسلمانوں کے ہاں ایسی حکومتیں برداشت نہیں جو صرف دنیاوی لحاظ سے قومی خود مختاری یا خودداری کی بات کریں۔ شاہ فیصل شہید، سوئیکارنو، ذوالفقار علی بھٹو، بن بیلا وغیرہ کے ہاں تو اسلامی حکومت نہ تھی۔ لیکن استعمار کے سامنے سر نہ جھکانے کی وجہ سے ان کو سزا ملی۔ اس قسم کی سزا وتا دیب کا مسئلہ اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک مسلمان معاشرے کے اندر سے میر جعفر و صادق وغیرہ کو ختم نہیں کیا جائے گا۔

مصر میں اخوان المسلمون نے بیسویں صدی میں مسلسل ساٹھ ستر برسوں تک عظیم قربانیوں کی داستان رقم کی ہے۔ اس عظیم تحریک نے اپنے بانی سید حسن البناء، سید قطب، عبد القادر عودہ رحمہم اللہ جیسی نابغۂ روزگار شخصیات کی قربانیاں دی ہیں۔ لہٰذا یہ چراغاں جاری رہے گا۔ بقول اقبالؒ ؎

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں   اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

طیب اردوان کے خلاف تقسیم سکوائر میں استعمار کے کوچہ گرد ہوں یا تحریر اسکوائر میں کسی استعمار کے پٹھو اور لبرلزم اور سکولرازم کے نام پر انتشار پھیلانے والے ایک نہ ایک دن قافلۂ حق کے سامنے سرنگوں ہو کر رہیں گے۔ لہٰذا قافلۂ عزیمت کے سالار اور ارکان کو پست ہمت ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس ایمان مضبوط بنانے اور رکھنے کی ضرورت ہے۔ ''پس ہمت نہ ہوں، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر مؤمن رہو گے''۔

اسلام کے جہدِ مسلسل میں قربانیاں دینا اور نا قابلِ برداشت اذیتیں سہنا اِس قافلے کی قدیم ریت ہے لیکن یہ قافلہ منزل کی سمت رواں دواں رہے گا۔ ؎

اگر عثمانیوں (مسلمانوں) پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے   کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

اب اِن حالات میں کہ استعمار طاقتور ہونے کی بناء پر خونخوار بھی ہے اور اُسے مسلمانوں کے ہاں دیہاڑی پر کام کرنے والے بھی دستیاب ہیں، اسلامی قافلوں کے سالاروں کو بہت گہرے غور و فکر اور تدبر کی ضرورت ہے۔ اسلامی تحریک کے رہنماؤں کو وقت کے تقاضوں کے مطابق ترجیحات کا تعین کرنا بھی ضروری ہوگا۔ رہنما کا ایک اہم

فریضہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنے مخلص کارکناں کو ناگزیر حالات کے لئے محفوظ اور تازہ دم رکھنے کی سبیل بھی کرے۔

میری ناقص رائے میں محمد مرسی صاحب کے اخلاص میں کوئی کمی نہیں تھی لیکن صرف اکیاون یا باون فیصد ووٹوں کے ساتھ اُنچاس فیصد سیکولر رلبرل مخالف عناصر وہ بھی ارضِ فراعنہ کے باسیوں سے بے غم سا ہو کر آگے بڑھنا کچھ زیادہ بصیرت افروز نہ تھا۔

ارضِ مصر جہاں تاریخ میں ہمیشہ فرعون جیسی استبدادی و استعماری حکومتیں رہی ہیں، اچانک جمہوریت اور وہ بھی اسلامی جمہوریت کا آنا، استعمار اور اُن کے پٹھوؤں کو ٹھنڈے پیٹوں کیسے اتنی آسانی کے ساتھ ہضم ہو سکتا تھا۔

عزیمت کی رو سے محمد مرسی نے کمال کر کے دکھایا لیکن تدبر، حکمت، اور عالمی حالات کے پیش نظر شاید ترجیحات میں کمی بیشی بھی اِن حالات کا پیش خیمہ ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ امت مسلمہ اور قافلۂ سخت جاں پر رحمت فرمائے۔ آمین

(بقیہ صفحہ ۱۹ سے) عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات

کا مطالعہ ضروری ہے۔ اور کہا کہ جس نے غور و فکر کے ساتھ تفسیر کشاف اور ابن کثیر مطالعہ کیا تو وہ سب سے زیادہ قرآن کا جاننے والا ہوگا۔ یہ مجلس انتہائی مفید اور علمی لطائف سے لبریز تھی۔ ظہر کے بعد زیارت کے قریب موضع ''میلہ'' بھی جانا ہوا۔

والد ماجد کا نظام العلماء کے اجلاس کے لئے سفر لاہور:

۲۲رجون: والد ماجد آج مولانا احمد علی لاہوری مدظلہ اور مولانا غلام غوث ہزاروی کی دعوت پر لاہور تشریف لے گئے جہاں وہ نظام العلماء کے مجلس شوریٰ میں شرکت کریں گے۔

۲۳رجون: برادرم مولانا حبیب اللہ کی شادی خانہ آبادی پر مبارکباد دینے کے لئے موضع تنگی چارسدہ جانا ہوا۔ موصوف کی شادی شوال میں ہوئی۔

اخبار بانگ حرم میں اجمل خٹک اور پروفیسر محمد سرور سے ملاقات:

۲۴رجون: تنگی سے براستہ پشاور واپسی کی۔ پشاور میں روزنامہ ''بانگِ حرم'' کے دفتر میں اجمل خٹک سے ملا اور وہیں پروفیسر محمد سرور سندھی مدیر روزنامہ سے بھی ملاقات رہی۔ تقریباً دو گھنٹوں تک مختلف امور پر بحث و گفتگو ہوئی۔ موصوف علماء کے افتراق اور بدنظمی پر نہایت متاسف تھے۔ انکا خیال ہے کہ علماء عصری ضروریات سے بے اعتنائی برت رہے ہیں۔ جس کا ان کو احساس تک نہیں۔ ظہر کے بعد واپسی ہوئی۔